یکم جون ۱۹۷۰ء

ہفتہ وار
ہماری زبان

جلد ۲۹ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | شمارہ ۲۱

اس شمارے میں

آل احمد سرور

شکاگو یونیورسٹی

(۲)

اب تک شکاگو یونیورسٹی کے استاد اور طالب علم آسمان پر رہتے تھے، جسے دیکھو اپنے کام میں لگا ہوا ہے۔ دنیا کے مسائل سے دلچسپی ایک علمی و معروضی نقطۂ نظر سے تھی۔ کئی مشہور پروفیسروں کے گرد ایک مقدس ہالہ تھا یہ لوگ ملنے جلنے سے کتراتے تھے۔ عام لیکچروں اور جلسوں میں نظر آ جاتے۔ کوئی باہر سے آنے والا ملنا چاہتا تو ٹال دیتے۔ اب بھی ملنے جلنے کی روایت عام نہیں ہے۔ بہت چا تو تنخواہ پر مل لے لیکن ادھر ایک بڑی تبدیلی یہ ہوئی ہے کہ طلبہ میں سیاسی رجحان بہت بڑھ گیا ہے اور خصوصاً ویت نام میں امریکن فوجوں کی موجودگی کے خلاف جذبہ عام ہے۔ صدر نکسن کی پالیسی کی حمایت کرنے والے شکاگو یونیورسٹی میں ہی نہیں امریکہ کی یونیورسٹیوں میں کم ہی نکلیں گے۔ پھر اساتذہ میں بھی بڑا طبقہ حکومت کی پالیسی کے خلاف ہے اور اپنے مضامین میں اور ٹی۔ وی کے مباحثوں میں اور رسالوں میں حکومت پر نکتہ چینی کرتا ہے۔ ہر شعبے میں کچھ ایسے لوگ مل جائیں گے جو اپنی کتابوں یا مضامین کی وجہ سے بین الاقوامی شہرت رکھتے ہیں۔ انگریزی تنقید میں شکاگو اسکول کا نام برابر آتا ہے اس کے نمائندوں میں ایڈگر اولسن قابل ذکر ہیں۔ مشہور ناولسٹ سال بیلو بھی انگریزی کے شعبے میں ہیں۔ سیاسیات کے شعبے میں پروفیسر مارگن تھیو سماجی فکر کے شعبے میں پروفیسر ایڈورڈ شلیس، فلسفے میں ہنا آرنٹ کے کارنامے علمی دنیا میں سب پر روشن ہیں۔ میرے قیام کے زمانے میں آرنٹ نے تین بہت اہم لیکچر فکر پر دئے۔ روز کوئی نہ کوئی لیکچر ہوتا رہتا ہے مگر ان لیکچروں میں سامعین کی تعداد عام طور پر کم ہی ہوتی ہے۔ کبھی کبھار ہی ایسا ہوتا ہے کہ سو ڈیڑھ سو آدمی ہوں، ورنہ تیس چالیس آدمی ہوتے ہیں۔ ہمارے جنوبی ایشیا کے شعبے میں عام طور پر منگل کے دن لیکچر ہوتا تھا۔ لیکچر کا اعلان مطبوعہ اشتہاروں کے ذریعہ سے ایک ہفتے پہلے ہو جاتا تھا۔ لیکچر زیادہ سے زیادہ پون گھنٹے کا ہوتا تھا، ہاں اس پر بحث کم سے کم گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ ضرور ہوتی تھی۔ میں نے شکاگو یونیورسٹی میں کسی کو خطابت کے جوہر دکھاتے نہیں دیکھا۔ لوگ کام کی باتیں کرتے ہیں۔ لیکچر بھی پر مغز ہوتے ہیں کلاس میں لیکچروں کا طریقہ دیکھنے کے لئے میں نے تحلیل نفسی اور ادبی تنقید کے موضوع پر ایک پروفیسر کے لیکچروں میں شرکت کی۔ کوئی پچیس طلبہ ہوتے تھے۔ پروفیسر نے پہلے سے لیکچروں کا خاکہ اور مطالعہ کی کتابوں کی فہرست دے دی تھی۔ طلبہ کے پاس مطالعہ کی کتابیں ضرور ہوتی تھیں۔ پروفیسر کوئی چالیس پچاس منٹ لیکچر دیتا تھا۔ اس کے بعد طلبہ اس پر بحث کرتے تھے۔ کوئی آدھ گھنٹے کی بحث کے بعد پروفیسر مجموعی طور پر موضوع کو آگے بڑھاتا تھا۔ ہر لیکچر کے بعد یہ محسوس ہوتا کہ ذاتی علم میں اضافہ ہوا ہے

طلبہ کے سارے سوالات کتاب کے مطالعے کا ثبوت دیتے تھے۔ بعض طالب علم زیادہ بحث کرتے تھے مگر پروفیسر ہمیشہ سب کو موقع دیتا تھا۔ ہر کوارٹر میں ہر طالب علم ایک رپورٹ لکھتا ہے جس میں اپنے مطالعے کی کتابوں کا جائزہ لیتا ہے۔ اور ایک ٹرم پیپر جس میں تنقیدی صلاحیت کا ثبوت ضروری ہے۔ یعنی اگر طالب علم نے تمام مواد کو سمیٹ کر سلیقے سے پیش کر دیا ہے اور اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہی تو اسے B سے زیادہ نہ ملے گا۔ ہاں اگر اس میں کوئی اپنی فکر یا نئی فکر کا ثبوت ملتا ہے تو اسے بہتر گریڈ مل سکتا ہے۔ لائبریری بہت بڑی ہے اور اس میں دنیا بھر کی کتابیں ہیں۔ اس کے علاوہ شعبوں کی اپنی لائبریریاں بھی ہیں مگر ہر کتاب کا علم مرکزی لائبریری کے کارڈوں سے ہو سکتا ہے۔ کتابیں عام طور پر غیر معینہ مدت کے لئے لی جا سکتی ہیں۔ صرف بعض ریڈنگ روم ایسے ہیں جن کی کتابیں پندرہ دن یا تین ہفتے کے لئے ملتی ہیں۔ یہ وقت پر واپس نہ ہوں تو جرمانہ ہوتا ہے۔ دو دفعہ میں بھی جرمانہ دے چکا ہوں۔ چلتے وقت کوئی تین سو کتابیں میں نے واپس کیں۔ یونی ورسٹی کا اپنا پریس اور اپنا بک اسٹور ہے۔ اپنی بس سروس ہے۔ بک اسٹور میں کتابوں اور رسالوں کے علاوہ اساتذہ اور طلبہ کی ضرورت کی دوسری چیزیں بھی مل جاتی ہیں۔ چونکہ کتابیں خاصی مہنگی ہوتی ہیں اس لئے ان کے پیپر بیک ایڈیشن کا لوگ انتظار کرتے ہیں۔ یہ ایڈیشن سال بھر کے اندر آجاتے ہیں۔ طلبہ کے کامن روم میں سکنڈ ہینڈ کتابیں بھی مل جاتی ہیں۔ طلبہ اور اساتذہ سب علاوہ اپنے مضمون کے ایک ہابی (HOBBY) سے بھی شوق رکھتے ہیں اور اس میں بھی خاصی مہارت کا ثبوت دیتے ہیں۔ طلبہ اور طالبات آزادی سے ملتے ہیں مگر یونی ورسٹی میں HIPPY کم ہی دکھائی دئے۔ اکتوبر میں طلبہ میں ویت نام کے خلاف خاصا جوش تھا۔ وہ صدر لیوی کے پاس گئے کہ ۱۵ اکتوبر کو پڑھائی نہ ہو۔ انھوں نے کہا کہ یونی ورسٹی تو بند نہیں ہوا کرتی ہاں یہ اساتذہ اور طلبہ پر منحصر ہے کہ وہ پڑھائیں گے اور طلبہ پڑھیں گے، چنانچہ قریب قریب سبھی اساتذہ نے اس دن کے کلاس دوسرے دن کے لئے ملتوی کر دیئے۔ یعنی پڑھائی ہوئی صرف اس دن نہ ہوئی اور بعد کی پڑھائی کا حرج بھی نہ ہوا۔

شکاگو یونی ورسٹی مجھے بہت پسند آئی۔ صرف یہ خیال گزرا کہ یہاں کے اساتذہ نے الگ تھلگ رہنے کو ذرا انتہا تک پہنچا دیا ہے۔ میں نے وسکانسن کے ایک پروفیسر سے پوچھا کہ آپ کا شکاگو یونی ورسٹی کے متعلق کیا خیال ہے۔ بولے بہت اچھی یونی ورسٹی ہے مگر اس حقیقت کا اظہار وہاں کے لوگوں کو اس شد و مد سے نہیں کرنا چاہئے۔ کچھ دوسروں پر بھی چھوڑ دینا چاہئے۔

ممتاز بنگالی ادیب قاضی عبدالودود کا انتقال

کلکتہ:- غیر منقسم بنگال کے مشہور شاعر اور ادیب قاضی عبدالودود کا طویل علالت کے بعد ۱۹ مئی کی رات میں انتقال ہوگیا۔ ان کی عمر ۷۵ برس کی تھی ان کی علمی زندگی کا آغاز ڈھاکہ یونی ورسٹی میں بنگلہ زبان کے پروفیسر کی حیثیت سے ہوا تھا۔ تقسیم ملک سے پہلے ہی وہ کلکتہ یونی ورسٹی میں آگئے تھے۔ قاضی صاحب مرحوم کی کئی تصنیفات بنگالی زبان میں ہیں۔

بنگلہ ادب میں ان کی کارگزاریوں پر انھیں شیشر کمار گھوش انعام مل چکا ہے۔ مرحوم کے پسماندگان میں ۲ لڑکے اور ایک لڑکی ہے۔ ادارہ ہماری زبان مرحوم کے انتقال پر رنج و الم کے ساتھ ان کے پسماندگان سے اظہار ہمدردی کرتا ہے۔

• نامہ نگار

اردو کے مشہور شاعر علامہ منور لکھنوی کا انتقال

دہلی:- اردو حلقوں میں یہ خبر نہایت افسوس کے ساتھ سنی جائے گی کہ اردو کے مشہور شاعر علامہ بشیشور پرشاد منور لکھنوی کا ۴ مئی کو صبح پونے سات بجے دہلی میں انتقال ہوگیا، وہ ۷۳ برس کے تھے اور گزشتہ دو برس سے بیمار چلے آرہے تھے، منور صاحب کی ادبی خدمات لگ بھگ ساٹھ برس کے عرصہ پر محیط ہیں وہ بے پناہ تخلیقی صلاحیتوں کے مالک تھے اردو شاعری کو ہندوستانی مزاج سے قریب تر لانے میں انھوں نے بڑا کام کیا ہے وہ تمام اصناف شاعری پر حاوی تھے، ان کی تصانیف میں کائنات دل، نوائے کفر، ادائے کفر، اور تراجم میں بھگوت گیتا، موسومہ نسیم عرفاں، شکنتلا، کمار سمبھو، گیت گووند، گیتانجلی اور فاؤسٹ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ منور لکھنوی اپنی ذات میں ایک دبستان تھے ان کی موت سے اردو شعر و ادب کا ایک دور ختم ہوگیا۔

ادارہ ہماری زبان ان کے انتقال پر دلی رنج و غم کا اظہار کرتا ہے اور ان کے پسماندگان کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

• نامہ نگار

"ہماری زبان" سے خط و کتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

مینیجر

مبشر علی صدیقی

انٹرمیڈیٹ درجات کا اردو نصاب

(حصۂ نظم)

میرا ایک مضمون مندرجہ بالا عنوان سے ۲۲ر دسمبر ۱۹۶۹ء کے "ہماری زبان" میں شایع ہوا تھا۔ اس میں حصۂ نثر پر بحث کی گئی تھی۔ حصۂ نظم کی کتابوں کے متعلق اب کچھ عرض کرنا ہے۔ آج کل انٹر کے درجات میں اردو کی نصابی کتابیں دو ہیں۔ ایک پروفیسر احتشام حسین کی مرتب کی ہوئی "ادب پارے" اور دوسری خلیل ارب صاحب کی مرتب کی ہوئی "ادبی سیپارے"۔ ان میں "ادبی سیپارے" کا حصۂ نظم زیادہ انٹر کالجوں میں پڑھایا جاتا ہے۔ آیئے اس انتخاب پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ موجودہ معیار کے ماتحت اس میں کتنی ترمیم و تنسیخ کی ضرورت ہے۔

"ادبی سیپارے" حصۂ نظم میں چھ ابواب ہیں۔

(۱) غزلیات	(۲) مثنویات
(۳) قصائد	(۴) مراثی
(۵) قطعات و رباعیات	(۶) منظومات جدید

کتاب کی ابتدا غزلیات سے ہوتی ہے۔ کل ۲۳ شعرا کی غزلیات کا انتخاب کیا گیا ہے۔ سودا سے لے کر جذبی تک۔ تین یا چار جدید شعرا کو چھوڑ کر بقیہ ہر ایک شاعر کی کم از کم پانچ غزلیں ہیں۔ یعنی اس حصہ میں طالب علم کو تقریباً ۱۵۰ غزلیں پڑھنا ہیں۔ آج کل معیاری انٹر کالجوں میں ایک سال کے ۳۶۵ دنوں میں سے اگر ۲۰۰ دن بھی پڑھائی ہو جائے تو سمجھے غنیمت ہے۔ اردو کے مضمون کا عام طور پر ایک گھنٹہ روزانہ ہوتا ہے۔ اگر ایک غزل ایک گھنٹہ میں ختم ہوتی (موجودہ معیار کو دیکھتے ہوئے) تو طلبہ کم از کم چھ ماہ میں ۱۰۵ غزلیں درجہ میں پڑھ سکیں گے۔ ہر ایک غزل گو شاعر کی خصوصیات بھی بتانا ضروری ہیں۔ اس میں بھی کچھ وقت صرف ہوگا۔

مجھے گورنمنٹ انٹر کالج نجیب آباد میں نظم کا کورس ختم کرانے کے لئے مقررہ گھنٹوں کے علاوہ کچھ زائد گھنٹے لینا پڑے تب کورس مکمل ہو سکا۔ اس لئے ان غزلیات کی تعداد کو فوری طور پر کم کرنے کی ضرورت ہے۔ مندرجہ ذیل شعرا کی دو، دو غزلیں کافی ہوں گی۔ میر تقی میر، غالب، مومن، داغ، شاد، اکبر، چکبست، اقبال، حسرت، فانی، اصغر، جگر، فراق، اور یہ غزلیں بھی نسبتاً آسان ہونا چاہییں۔

دوسرا حصہ مثنویات کا ہے۔ میر حسن، دیا شنکر نسیم، شوق قدوائی، اقبال، حفیظ، علی سردار جعفری کی مثنویات کا انتخاب ہے۔ انتخاب سلیقہ سے کیا گیا ہے۔ طلبہ سب سے زیادہ اس حصہ میں دلچسپی لیتے ہیں لیکن سحر البیان اور گلزار نسیم کی شاعرانہ نزاکتیں اور صنائع بدائع ان کو ششدر کر دیتی ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ آسان اشعار کا انتخاب کیا جائے۔ دونوں مثنویوں میں ایسے ٹکڑے نکل آئیں گے جو موجودہ معیار کو دیکھتے ہوئے طلبہ کے لئے موزوں ہوں۔ فی الحال اقبال کے "ساقی نامہ" کو اس کورس سے علیحدہ کر دینا مناسب ہوگا۔ بی۔ اے۔ کے درجات میں اس کا رکھنا مناسب ہے۔

تیسرا حصہ قصائد کا ہے۔ مندرجہ ذیل شعرا کے قصائد درج ہیں۔

(۱) سودا	(۲) ذوق
(۳) غالب	(۴) منیر شکوہ آبادی
(۵) امیر مینائی	(۶) عزیز لکھنوی

سب سے زیادہ مشکل آج کل طلبہ کو ان قصائد کا پڑھانا ہے۔ کیونکہ مشکل الفاظ کی تعداد نسبتاً قصیدوں میں زیادہ ہوتی ہے اور آج کل اردو شاعری کی یہ صنف متروک ہو چکی ہے۔ جمہوریت کے دور میں جاگیردارانہ نظام کی چیزیں محض تاریخی حیثیت سے ہی پڑھائی جا سکتی ہیں۔ امتحان میں بھی طلبہ قصیدہ گوئی کے متعلق سوالات عام طور پر چھوڑ دیتے ہیں۔ اس لئے سودا اور غالب کے قصیدوں کا مختصر انتخاب کافی ہوگا۔ تاریخی ترتیب کو نظر انداز کرنا ہوگا۔

چوتھا حصہ مراثی کا ہے۔

(۱) میر انیس	(۲) مرزا دبیر
(۳) چکبست	(۴) صفی
(۵) جوش	(۶) مجاز

کے مرثیوں کا انتخاب درج ہے۔ میر انیس کا مرثیہ ؎

"جب قطع کی مسافت شب آفتاب نے"

مکمل درج ہے۔ اس میں کافی وقت صرف ہوتا ہے۔ اس کا انتخاب ہونا چاہیے۔ مرزا دبیر کے دو یا تین سلیس بند انتخاب کئے جائیں۔ موجودہ بند طلبہ کی فہم سے بالاتر ہیں اور وہ صنائع بدائع میں الجھ کر رہ جاتے ہیں۔ چکبست کا مرثیہ مناسب ہے۔ صفی اور جوش کے مرثیوں کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے نہیں کہ ان کی اہمیت کم ہے۔ بلکہ اس لئے کہ طلبہ کے پاس اس مضمون کے لئے وقت کم ہے۔ مجاز کی نظم

"تاج وطن کا لعل درخشاں چلا گیا"

مشکل سے ہی مرثیہ کے ضمن میں آتی ہے۔ نظموں کے حصہ میں اس کو رکھا جا سکتا ہے۔ طلبہ اس نظم کو بہت پسند کرتے ہیں۔

پانچواں حصہ قطعات و رباعیات کا ہے۔ حالی، شبلی، اکبر، اقبال، جوش، فیض اور اختر انصاری کے قطعات و رباعیات ہیں۔ "ادبی سیپارے" کا یہ حصہ سب سے جاندار ہے۔ شعرا بھی جدید دور کے ہیں۔ اس میں قطع برید کی ضرورت نہیں ہے

چھٹا حصہ منظومات جدید کا ہے۔ مندرجہ ذیل شعرا کی نظمیں درج ہیں۔ نظیر اکبرآبادی، حالی، اکبر، چکبست، اقبال، صفی، درگا سہائے سرور، سیماب اکبرآبادی، جوش، احسان دانش، افسر میرٹھی، اختر شیرانی، فیض احمد فیض، علی سردار جعفری۔

طلبہ اس حصہ کی نظمیں کافی دلچسپی سے پڑھتے ہیں۔ لیکن ان کی تعداد زیادہ ہونے کی وجہ سے شعرا کی خصوصیات بتانا رہ جاتا ہے۔ اگر صفی کی "بہار"، افسر میرٹھی کی "طلوعِ خورشید نو"، اختر شیرانی کی "نغمۂ زندگی" اور علی سردار جعفری کی "ٹوٹا ہوا ستارہ" نظر انداز کر دیا جائے تو بقیہ شعرا کی نظم گوئی کی خصوصیات بتانے کے لئے وقت نکل آئے گا۔

"ادب پارے" کے انتخابات کی کم و بیش یہی کیفیت ہے۔ اس سلسلہ میں اردو نظم کی ایک مختصر تاریخ لکھنے کی ضرورت ہے جو انٹر کے طلبہ کے معیار کی ہو اور مندرجہ بالا شعرا کے کلام پر تفصیلی تبصرہ ہو۔ اس وقت جمیل احمد بریلوی کی تاریخ نظم اردو (مطبوعہ نول کشور پریس لکھنؤ) اس کام کے لئے بہت موزوں ہے۔ لیکن اس کے ایک جدید اور ترمیم شدہ اڈیشن کی سخت ضرورت ہے۔ انجمن ترقی اردو (ہند) اگر اس کا نیا اڈیشن شائع کر دے تو انٹر کے اردو طلبہ کی یہ بڑی خدمت ہوگی۔

اس کے علاوہ انٹر کے اردو اساتذہ کا موسم گرما کی تعطیل میں ریفریشر کورس ہونا بھی ضروری ہے تاکہ وہ آپس میں تبادلۂ خیال کرنے کے علاوہ اردو کے طریقۂ تعلیم کے نئے اصولوں سے واقف ہو جائیں۔ انٹر بورڈ کے اردو کے تیسرے پرچہ میں غیر درسی کے طور پر نظم کی ایک کتاب کا ہونا بھی ضروری ہے۔ مثال کے طور پر مثنوی سحرالبیان یا انتخاب کلام میر رکھا جا سکتا ہے۔ تنقیدی کتابیں رکھنا بے سود ہے۔

▲

صفحہ ۵ سے آگے

وسط ہند کے علاقوں میں اردو زبان کی ترقی و ترویج میں اس شہر نے اہم رول ادا کیا ہے۔ اس سرزمین کو بڑی بڑی ہستیوں کا مولد ہونے کا فخر حاصل ہے۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن ناطق گلاؤٹھی تلمیذ مرزا داغ دہلوی جن کا انتقال پچھلے سال ہوا ہے اسی شہر میں پیدا ہوئے تھے۔ یہ شہر میونسپل اور کنٹونمنٹ علاقوں میں منقسم ہے۔ ان دونوں علاقوں کی کل آبادی (پچھلی مردم شماری کے مطابق) ۲۵۰، ۲۰۹ ہے جس میں ۱۳،۵۴۰ لوگوں کی مادری زبان اردو ہے۔ یہاں اردو زبان کا تناسب کل آبادی کا ۳۰ فیصد اور یہاں کی مرہٹی آبادی کا ۶۳ فیصد ہے۔

آخری چیخ کی جستجو میں!

باقر مہدی

کب تلک اپنی کھولی میں بیٹھا رہوں
روز اخبار پڑھ پڑھ کے کڑھتا رہوں
اپنے غصے کو لفظوں میں ڈھالوں مگر
میری بسمل زباں — !
تیری تنہا سسکتی صدا
ایک لاوے میں کیسے ڈھلے گی؟
حریفوں سے کیسے لڑے گی؟

ہر طرف — پرانی نئی بولیوں کے
گیت — نعرے ہیں
نغموں کے میلے لگے ہیں
کتابوں کے بازار ہیں
اور — میری بسمل زباں!
نیم تاریک گلیوں میں
ٹوٹے گھروں میں
صرف سرگوشیوں کے سہارے
— تو بھلا کب تلک جی سکے گی؟

میں نے مانا — یہ کلیشے ہے — تو
دل کی دھڑکن
لہو کی حرارت
سب ہی کچھ ہے باقی — مگر آج
تری خاطر کوئی جاں کی بازی لگائے گا کیوں؟
تیرے کمزور ہاتھوں میں کوئی پھریرا نہیں
تیرا کوئی علاقہ نہیں
کتنی بیکس ہے تو — میری بسمل زباں
قبر تیری بنے گی کہاں —؟
ایک نوحہ لکھوں
مرثیہ یا رجز —؟

میری بسمل زباں —!
یہ تری نیم جاں، خوں چکیدہ صدا —!
آخری چیخ کی جستجو میں
کاش اک بار — پھر جی اٹھے!
میں نے مانا یہ کلیشے ہے
یہ آرزو ایک بیکس کی ہے
اور بیکس تو —!
اک انقلابی کے سانچے میں ڈھلنا پڑے تو —!
وقت اور فاصلے کے سمندر کو
ایک ہی جست میں پار کرنا پڑے تو —!!

محمد عبدالعلیم

مہاراشٹر میں اردو

مہاراشٹر جس طرح رقبہ کے لحاظ سے صوبہ جات مدھیہ پردیش اور راجستھان کے بعد بھارت کا سب سے بڑا صوبہ ہے اسی طرح آبادی اور اردو بولنے والوں کی تعداد کے لحاظ سے بھی یہ ریاست صوبہ جات اترپردیش اور بہار کے بعد سب سے بڑی ریاست ہے ۱۹۶۱ء کی مردم شماری کے مطابق اس صوبہ کی کل آبادی ۳,۹۵,۵۳,۷۱۸ ہے جس میں ۲۰,۲۵,۰۷۶ لوگوں کی مادری زبان اردو ہے۔

لسانی محل وقوع کے لحاظ سے اس صوبہ کے شمال مغرب میں گجراتی۔ شمال مشرق میں ہندی۔ جنوب مشرق میں تیلگو اور ٹھیک جنوب میں کنڑ زبان کے علاقے واقع ہیں اور خود اس ریاست کی علاقائی زبان مرہٹی ہے۔ یعنی اردو اس صوبہ میں پانچ مختلف زبانوں کے درمیان گھری ہوئی ہے۔ اس کے باوجود یہاں اردو دیگر صوبہ جات سے نسبتاً بہتر حالت میں ہے گو اس کا جائز مقام یہاں بھی نہیں ملا ہے۔

انجمن ترقی اردو ہند کے موقر جریدہ ہماری زبان" (علی گڑھ) نے اپنا شمارہ ۱۵ر اپریل ۷۰ء اردو نمبر کے نام سے نکالا ہے جس میں پانچ ریاستوں سے متعلق اردو کی ضلع وار تقسیم نیز ان ریاستوں کی علاقائی زبان سے اس کا تناسب مع نقشہ جات وتفصیلات بتائی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت ساری ضروری اور اہم معلومات اس نمبر میں یکجا کر دی گئی ہیں جو اردو زبان سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے نہایت کارآمد ہیں۔ اس نمبر کے صفحہ ۹ پر مہاراشٹر صوبہ میں اردو کی پوزیشن کو اعداد وشمار کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے۔ اس میں دو جگہ سہو ہے پہلے یہ کہ اس ریاست کی کل اردو آبادی ۲۷,۲۵,۰۷۶ بتائی گئی ہے جبکہ صحیح تعداد ۲۰,۲۵,۰۷۶ ہے۔ دوسرے یہ کہ ضلع اورنگ آباد کی اردو آبادی ۲,۰۹,۸۷۸ ہے مگر ۱,۲۲,۵۸۳ بتائی گئی ہے۔

۱۹۶۱ء کی مردم شماری کے اعداد وشمار کے مطابق مہاراشٹر میں ۱۲ شہر ایسے ہیں جہاں کی آبادی ایک لاکھ سے زائد ہے ناظرین کرام کی معلومات کے لئے ان ۱۲ شہروں کی کل آبادی، مراٹھی آبادی اور اردو آبادی کتنی ہے۔ اور اردو کی پوزیشن بہ لحاظ تناسب کل آبادی اور بہ تناسب مراٹھی آبادی کیا ہے۔ ان کی تفصیلات ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

نام شہر	کل آبادی	مرہٹی آبادی	اردو آبادی	اردو بلحاظ تناسب کل آبادی	اردو بلحاظ تناسب مرہٹی آبادی
بمبئی عظمیٰ	۴۱,۵۲,۰۵۶	—	۴,۱۱,۹۱۷	۱۰ فیصد	—
ناگپور	۶,۴۳,۶۵۹	۴,۳۳,۵۵۰	۵۱,۰۹۴	۸ ″	۱۲ فیصد
پونا	۵,۹۷,۵۶۲	۴,۳۵,۱۱۸	۴۶,۱۵۴	۸ ″	۱۰ ″
شولاپور	۳,۳۷,۵۸۳	۱,۳۱,۹۳۲	۵۸,۵۰۵	۱۷ ″	۴۴ ″
کولہاپور	۱,۸۷,۴۴۲	۱,۵۰,۲۴۹	۱۵,۸۸۷	۸ ″	۱۰ ″
امراوتی	۱,۳۷,۸۷۵	۷۷,۲۲۵	۲۰,۷۸۲	۱۵ ″	۲۷ ″
ناسک	۱,۳۱,۱۰۳	۹۷,۴۵۸	۱۳,۵۱۹	۱۰ ″	۱۴ ″
مالیگاؤں	۱,۲۱,۴۰۸	۳۶,۰۰۸	۷۷,۹۴۵	۶۴ ″	—
احمدنگر	۱,۱۹,۰۲۰	۸۰,۰۸۹	۱۵,۳۹۷	۱۳ ″	۱۹ فیصد
اکولہ	۱,۱۵,۷۶۰	۴۶,۰۹۲	۲۱,۹۱۴	۱۹ ″	۴۶ ″
الہاس نگر	۱,۰۷,۷۶۰	۱۰,۰۱۱	۳۱۱	—	۳ ″
تھانہ	۱,۰۱,۱۰۷	۷۷,۲۹۰	۴,۵۲۸	۴ فیصد	۶ ″

(الف) بمبئی عظمیٰ کی مرہٹی آبادی معلوم نہ ہو سکی۔

(ب) مالیگاؤں مہاراشٹر کا سب سے زیادہ گنجان (اردو آبادی کے لحاظ سے) شہر ہے۔ اس شہر کے ۶۴ فیصد لوگوں کی مادری زبان اردو ہے اور صرف ۳۰ فیصد لوگ مرہٹی بولتے ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق پچھلے دس سال میں آبادی میں ۲۵ تا ۳۵ فیصد اضافہ ہوا ہے۔ اسی حساب سے جناب مختار حسن صاحب نے مالیگاؤں کی کل آبادی جو پونے دو لاکھ اور اردو آبادی ایک لاکھ سے زائد بتائی ہے وہ غلط نہیں۔

(ہماری زبان" ۱۵ر جنوری ۷۰ء)

(ج) الہاس نگر میں سندھی زبان بولنے والے سب سے زیادہ ہیں (۸۷,۹۳۲) جو وہاں کی کل آبادی کا ۸۲ فیصد ہیں مراٹھی بولنے والے وہاں صرف ۱۰ فیصد ہیں۔

ضلع ناگپور میں اردو

ضلع ناگپور کی تین بڑی زبانوں کی تحصیل وار تقسیم حسب ذیل ہے۔

نام تحصیل	کل آبادی	مرہٹی آبادی	ہندی آبادی	اردو آبادی
ناگپور	۸,۳۹,۴۵۵	۵,۴۸,۶۰۹	۱,۱۵,۹۱۱	۹۶,۱۰۴
امریڑ	۱,۹۷,۱۶۶	۱,۸۳,۶۹۹	۵,۵۲۸	۱,۲۲۲
رام ٹیک	۱,۵۵,۱۵۳	۱,۳۴,۷۷۶	۱۹,۹۵۸	۸۰۹
کاٹول	۱,۴۶,۸۵۰	۱,۳۳,۲۱۴	۱۶,۴۰۲	۳,۳۱۹
ساؤنیر	۱,۶۹,۱۶۳	۱,۲۸,۹۹۳	۱۳,۸۶۳	۱,۲۹۶

ناگپور ضلع کی چوتھی بڑی زبان گونڈی ہے جو یہاں کے دیہی علاقوں میں زیادہ بولی جاتی ہے۔

کامٹی۔ ناگپور ضلع کا دوسرا سب سے بڑا شہر ہے اور بہت مشہور ہے۔ ہمیشہ سے شعر وادب کا گہوارہ رہا ہے (باقی صفحہ

مراسلات

دلّی میں اردو کا مسئلہ

دلّی میں اردو کا مسئلہ بعض پہلوؤں کے اعتبار سے اترپردیش، بہار اور دوسری ریاستوں میں اردو کے مسئلے سے قدرے مختلف رہا ہے۔ ۱۹۵۶ء تک دلی کا شمار زمرہ سی کی ریاستوں میں ہوتا تھا اور یہاں ایک منتخب اسمبلی اور وزارت موجود تھی۔ دلی کے اس درجے کو ختم کئے جانے اور اسمبلی کو توڑے جانے تک دلی میں اردو کا مسئلہ محبان اردو کے لئے باعث تشویش نہیں تھا بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ اردو کا کوئی باقاعدہ مسئلہ ہی نہ تھا تو زیادہ مناسب ہوگا۔ اس وقت تک دلی کے اسکولوں میں اردو تعلیم کی مشکلات نہیں تھیں۔ عدالتوں میں اردو کا استعمال عام تھا۔ پولیس اور ایڈمنسٹریشن میں اردو کے استعمال پر کوئی روک ٹوک نہیں تھی۔ اردو کا مسئلہ فی الحقیقت اس وقت سامنے آیا جب اسٹیٹ اسمبلی نے زبان سے متعلق ایک کمیٹی بنائی اور طے ہوا کہ ہندی دلی میں سرکاری زبان کے طور پر استعمال ہوگی اور اردو کا استعمال ثانوی زبان کی حیثیت سے ہوگا۔

اردو کے بارے میں اس کمیٹی کا فیصلہ بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ انھیں دونوں زبانوں سے متعلق مشاورتی کمیٹی نے بھی اردو کی اس حیثیت کو تسلیم کیا اور اسمبلی میں کارروائی کے لئے اردو کو بھی ایک زبان تسلیم کیا۔

سورگباشی لالہ شیام ناتھ کے دور میں جبکہ وہ آخری میونسپل کمیٹی کے صدر تھے اردو کو باقاعدہ ایک ریزولیوشن کے ذریعہ کارپوریشن کی دوسری زبان تسلیم کیا گیا۔

لیکن جیسا کہ کارپوریشن کی اردو ایڈہاک کمیٹی کی رپورٹ سے ظاہر ہے اردو کو وہ مراعات کبھی پورے طور پر حاصل نہیں رہیں اور بعد میں اس کمیٹی کو بھی توڑ کر ہندی کمیٹی میں ضم کر دیا گیا۔

یہ سب کچھ ہوتا رہا حالانکہ سیاسی جماعتیں اردو کے کاز کی حمایت کرتی رہیں اس کا سب سے اچھا مظاہرہ ۱۹۷۲ء میں اردو کنونشن میں دیکھنے میں آیا جہاں مسند صدارت پر دلی کی تمام سیاسی پارٹیوں کے صدر جنرل سکریٹری تمام سابق میئر سابق وزیر اعلیٰ ایک وقت موجود تھے۔

انجمن ترقی اردو اس تمام عرصہ میں یادداشتوں اور عرضداشتوں کے ذریعہ حکومت کو دلی میں اردو کی حیثیت کو تسلیم کرنے کی طرف متوجہ کرتی رہی کیوں کہ اردو کنونشن جیسے عوامی مظاہرہ کے بعد بھی حکومت کا رویہ تبدیل نہیں ہو سکا تھا۔

گزشتہ سال پہلی بار انجمن کو اپنی عرضداشت کا کوئی جواب ملا وزیر داخلہ کی طرف سے ۱۹۵۸ء کے سرکلر اور زبان سے متعلق ایڈوائزری کمیٹی کی رپورٹ کی نقل بھیج دی گئی اور کہا گیا کہ حکومت نے اردو کو یہ آسانیاں فراہم کی ہیں ان کے سلسلے میں اگر دشواریاں ہیں تو بتایا جائے انجمن نے جواب میں دلی میں اردو کا ایک جامع کیس تیار کر کے بھیجا اور یہ بتاتے ہوئے ۱۹۵۸ء کے سرکلر پر عمل درآمد نہیں کے برابر ہے مطالبہ کیا کہ اس سرکلر کو قانونی حیثیت دی جائے ابھی اس کا کوئی جواب نہیں ملا ہے۔

اس تمام عرصہ میں جہاں پولس عدلیہ انتظامیہ اور دوسرے شعبوں میں اردو کے استعمال پر پابندیاں عائد کی جانے لگیں وہیں اردو اسکولوں کے مسائل بھی بڑھتے رہے اور اس وقت دلی میں ہندوستان کے ان شہریوں کو جو اردو بولتے ہیں اپنے بچوں کو مادری زبان کی تعلیم کی آسانیاں دشواریوں میں تبدیل ہوتی جا رہی ہیں اردو ذریعہ تعلیم کے اسکولوں میں بچوں کے لئے نصاب کی کتابیں مہیا نہیں ہیں اساتذہ ہیں ایسے بھی نہیں، جو در اصل ہندی کے اساتذہ ہیں۔ اور جو بچوں کو اچھی طرح نہیں پڑھا سکتے جس کے نتیجہ میں معیار کا مسئلہ بھی پیدا ہو گیا ہے ایڈمنسٹریشن کے ٹیچرز ٹریننگ اسکولوں میں اردو طلبہ کے داخلہ کی دشواریاں ہیں اور ایسے ہی بے شمار مسائل موجود ہیں۔

ظاہر ہے کہ اردو تعلیم کے مسائل کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اگر زبان موجود نہیں ہوگی تو اردو تحریک یا اردو کو یو۔پی۔ بہار، دلی وغیرہ میں تسلیم کرانے کا کوئی مطلب نہیں ہوگا۔ تحریک کسی بنیاد پر ہی جاری رکھی جا سکتی ہے اور وہ بنیاد یہ ہے کہ اردو تعلیم کی طرف زیادہ توجہ دی جائے۔ اردو کے کیس کے بارے میں حکومت کی سرد مہری سے ظاہر ہے کہ یہ مسئلہ آج کل میں حل نہیں ہوگا اگر اس میں زمن کیجئے دس سال کا عرصہ لگتا ہے تو کیا اس عرصہ میں اردو زبان اگر اس کی تعلیم کی طرف توجہ نہیں کی گئی ختم نہیں ہو جائے گی؟ پھر اردو رسم خط کو برقرار رکھنے کا مسئلہ اپنی جگہ الگ اہمیت رکھتا ہے کسی زبان کا رسم خط اس زبان کے بولنے والوں کی تہذیب کا آئینہ دار ہوتا ہے اس کے حروف کی آوازیں اپنا ایک پس منظر رکھتی ہیں اسی لئے کہا جاتا ہے کہ کسی تہذیب کو ختم کرنے کے لئے رسم خط کو ختم کر دینا کافی ہوتا ہے اردو تہذیب ہندوستان کی مشترک تہذیب ہے جو ایک طرف جمہوری قدروں کی آئینہ دار ہے تو دوسری طرف سیکولر قدروں کی غماز۔ اس لئے ہمیں یہ عزیز ہے، یہ عزیز تر اس لئے بھی ہے کہ ہمارا تہذیبی سرمایہ اس میں موجود ہے۔

مقصد یہ ہے کہ اردو زبان اور اس کے رسم خط کو باقی رکھنا اردو تحریک کو جاری رکھنے کے لئے ضروری ہے، میری اپنی رائے میں یہ دونوں پہلو الگ الگ ہیں۔ تحریک کے معاملے میں سیاسی حمایت ضروری ہے جبکہ زبان اور اس کی تعلیم کے مقاصد کے لئے اردو

بولنے والے شہریوں کا تعاون لازمی تقاضہ ہے۔ مثلاً دلی ایڈمنسٹریشن نے نصابی کتابوں کو نیشنلائز کرنے کا فیصلہ کیا ہے اردو کی غالباً تیرہ کتابیں اس ذیل میں آتی ہیں تین کتابوں کے مسودے محکمۂ تعلیم کے پاس پہنچے ہوئے ہیں لیکن اب ان کتابوں کی اشاعت کا مسئلہ ہے۔ دو ماہ کی تعطیلات میں پرائمری اسکولوں میں لازمی تعلیم کے تحت بچوں کا سروے ہونے والا ہے۔ اس سروے میں اردو بولنے والے شہریوں کے بچوں کا اندراج درست ہو اور اس کے مطابق نئی کلاسیں یا نئے پرائمری اسکول کھلیں۔

(۳) اساتذہ کے تقرر میں اردو اسکولوں کے تناسب کو دھیان میں رکھا جائے۔ اس غرض کے لئے کارپوریشن اور ایڈمنسٹریشن کے ذمہ داران سے رجوع کیا جائے۔

(۴) مڈل اردو ہائر سکنڈری اسکولوں میں پرائمری پاس کرنے والے طلبہ کو داخلہ کا مسئلہ ہے جس میں دشواری پیش آتی ہے۔

(۵) دلی کے مختلف کالجوں میں جہاں اردو تعلیم کا انتظام ہے۔ ہائر سکنڈری اسکول سے پاس کرنے والے طلبہ کے داخلہ کا مسئلہ ہے تاکہ طلبہ کی تعداد مناسب طور پر سب میں تقسیم ہوسکے۔

(۶) اردو ذریعہ تعلیم کے اسکولوں میں معیار کا مسئلہ۔ یہ تمام مسائل اردو اسکولوں کے ہیں جو کارپوریشن یا ایڈمنسٹریشن چلاتا ہے اس نے ان کی ضرورتیں اور بعض دوسرے متعلق مسائل ایسے ہیں کہ جن کو حل کرنے کے سلسلے میں بچوں کے والدین اور اردو اساتذہ ہی مناسب ڈھنگ پر کوشش کرسکتے ہیں اس میدان میں اگر بات درمیان میں آتی ہے تو مسائل مشکل ہوسکتے ہیں۔

انجمن ترقی اردو دلی ابتدا ہی سے ان مسائل کی طرف خاص توجہ دیتی رہی ہے حال ہی میں اس نے اردو شہریوں کا اور زیادہ تعاون حاصل کرنے کے لئے کچھ ٹھوس اقدامات کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

اردو اسکولوں سے متعلق ہر مسئلہ کی ایک اہمیت ہے۔ لیکن ہمیں بہرحال کچھ مسائل کو فوقیت دینی ہوگی۔

بہادر برنی ● بشکریہ "الجمعیۃ"

غالب اور اشہری

۵ ارمئی کے "ہماری زبان" میں جناب حیدر عباس رضوی کا مراسلہ "غالب اور اشہری" دیکھا۔ میں نے اسی عنوان کے تحت ۲۲ اپریل کے شمارے میں جو کچھ لکھا تھا اس کا مقصد نہ کسی بحث کا آغاز کرنا تھا نہ کسی کو برہم کرنا تھا۔ مگر میں نہیں سمجھ سکا کہ میری کس نالائقی سے رضوی صاحب نالاں ہیں۔ اگر انھیں اس کا یقین ہے کہ غالب کے سفر الہ آباد کے سلسلے میں تحقیق کی گنجائش ہے تو میں خوش میرا خدا خوش۔ رہا قیاس کا معاملہ۔ اس کے معنی اردو والوں نے بدل دئے ہیں اس لئے محقق پر الزام بن کر عائد ہو جاتا ہے ورنہ اسلامی قانون کی تخریج میں ابو حنیفہ نے اسے قرآن کے بعد درجہ دیا ہے۔ قیاس دراصل ایک معیار یا نظیر ہوتی ہے جس سے دوسرے احکام کو پرکھا جاتا ہے۔ خیالی طوطے مینا نہیں ہوتے۔ ذاتی طور پر میں تحقیق کے لئے قیاس کو اتنا ہی ضروری سمجھتا ہوں جتنا قانون میں نظائر کو سمجھا جاتا ہے۔ اگر یہ ضروری نہیں ہے تو رضوی صاحب بتائیں کہ زمانۂ ماقبل تاریخ کا علم انھیں کن ذرائع سے ہوا ہے؟

ان کا یہ فرمانا کہ عبدالقوی دسنوی صاحب کی کتاب دیکھے بغیر میں نے یہ لکھ دیا ہے کہ "دسنوی صاحب نے اشہری کے بیان پر شبہ وارد نہیں کیا" خود ایک "قیاس" ہے۔

انھوں نے لکھا ہے کہ "غالب سے ملاقات کی تاریخ محل نظر ہے" یہ جرح ناکافی ہے۔

اشہری ۱۸۵۱ء میں پیدا ہوئے ہیں اور ۷ا۔۸ا سال کی عمر میں غالب سے ملاقات کرنا بیان کرتے ہیں۔ اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ اپنی عمر کے بیان میں ان سے غلطی ہوسکتی ہے تو آخری حد دس سال کی عمر رکھ لیجیے گویا ۱۸۶۱ء سے ۱۸۶۹ء تک کسی سال دیکھا ہوگا اب یہ بات رضوی صاحب ثابت کریں کہ اس مدت میں غالب الہ آباد کب اور کیوں گئے یا اشہری کب دلی آئے تھے؟ ورنہ لا محالہ یہ ماننا پڑے گا کہ اشہری نے یا تو دروغ گوئی سے کام لیا ہے یا کسی مغالطے کے شکار ہوگئے ہیں۔ دسنوی صاحب کا صرف سنہ پر شبہ کرنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ ملاقات ہونا تو شبہ سے بالاتر سمجھتے ہیں۔ صرف زمانے میں تامل ہے۔

رضوی صاحب فرماتے ہیں کہ:۔

> "دراصل تحقیق میں کسی بیان کی تائید یا تردید قیاسات کی بنیاد پر نہیں کی جاسکتی ہے اس کے لئے ٹھوس حقائق ضروری ہوتے ہیں"

میں نے تو اشہری کے بیان کی تردید "قیاس" سے کردی تھی لیکن رضوی صاحب نے اس کی تائید میں کون سی "ٹھوس حقیقت" پیش کی ہے؟

بقول شاعر:

> جس طرح تم اس طرح ہم قس علیٰ ہٰذا القیاس!

دہلی ● نثار احمد فاروقی

●

مردم شماری کا وقت قریب آرہا ہے۔ ابھی سے آپ اپنے حلقے میں لوگوں پر اس کی اہمیت واضح کیجئے۔

●

مادری زبان کے خانے میں اردو کا اندراج کرائیے اور دیکھ لیجئے کہ صحیح اندراج ہوا ہے۔

انجمن کی خبریں

مردم شماری کے کمشنر سے انجمن کے وفد کی ملاقات

انجمن ترقی اردو ہند کا ایک وفد مردم شماری کے کمشنر مسٹر جے۔ کے۔ بانٹھیا سے بروز سنیچر ۳ رمئی ۲۰۰۱ء کو دس بجے صبح ان کے دفتر مان سنگھ روڈ پر ملا۔ وفد کے اراکین حسب ذیل تھے۔

۱۔ ڈاکٹر ہردے ناتھ کنزرو (صدر انجمن)

۲۔ پنڈت آنند نرائن ملا (ایم پی) نائب صدر

۳۔ کرنل بشیر حسین زیدی

۴۔ حیات اللہ انصاری، ایم۔ پی

۵۔ بیگم سلطانہ حیات

۶۔ پروفیسر آل احمد سرور۔ جنرل سکریٹری

ڈاکٹر ہردے ناتھ کنزرو نے کمشنر کو بتایا کہ انجمن یہ معلوم کرنا چاہتی ہے کہ کمشنر نے مادری زبان کے اندراج کے سلسلے میں اپنے کارکنوں کو کیا ہدایات دی ہیں اور وہ کس طرح اس بات کا اطمینان کریں گے کہ زبان کا اندراج بتانے والے کے کہنے کے مطابق ہوا ہے۔

کمشنر نے وہ ہدایات پڑھ کر سنائیں جن کو طبع کرکے تمام ریاستوں کو اور ان کے ذیلی دفتروں کو بھیجا گیا ہے۔ ان ہدایات کے مطابق کارکن کا یہ فرض ہے کہ وہ مادری زبان کے متعلق ہر فرد سے دریافت کرے اور اپنی طرف سے کچھ نہ کہے۔ پھر ہر فرد جو زبان درج کرانا چاہتا ہے وہی بجنسہ درج کی جائے۔

کمشنر نے مردم شماری کا وہ نقشہ بھی دکھایا جس پر تمام معلومات درج کی جائیں گی۔ اس نقشے میں نمبر ۱۴ مادری زبان کے لئے ہے اور نمبر ۱۵ دوسری زبانوں کے لئے۔ مثلاً جس شخص کی مادری زبان اردو ہے اس کے کارڈ میں نمبر ۱۴ پر اردو کا اندراج ہوگا نمبر ۱۵ دوسری زبانوں کے لئے ہے۔ یعنی اگر وہ شخص اردو کے علاوہ کوئی اور زبان مثلاً بنگالی، انگریزی یا مراٹھی جانتا ہے تو اس زبان کا اندراج نمبر ۱۵ کے خانے میں کیا جائے گا۔ اگر وہ کوئی اور زبان نہیں جانتا ہے تو اس کے مطابق اندراج ہوگا۔

ممبروں کے دریافت کرنے پر کمشنر نے یقین دلایا کہ ہر کارکن کو یہ ہدایت ہوئی کہ جو فرد چاہے اس کے متعلق اندراجات کارکن اسے دکھادے۔

کمشنر نے یہ بھی یقین دلایا کہ ہدایات کی پوری پوری پابندی کرانے کے لئے نگراں اسٹاف ہوگا جو اندراجات کو چیک کرکے یہ اطمینان کرے گا کہ صحیح اندراجات ہوئے ہیں۔

کمشنر نے یہ بھی کہا کہ ان پڑھ لوگوں کے اندراجات انھیں پڑھ کر سنائے جاسکیں گے اور گھر کا کوئی بھی پڑھا لکھا فرد انھیں دیکھ بھی سکتا ہے۔ غیر متعلق لوگوں کو اندراجات نہیں دکھائے جاسکتے۔

کمشنر نے یہ بھی کہا کہ اگر ملک میں کسی جگہ ان کی ہدایات کے خلاف کوئی کارروائی ہو رہی ہو تو ریاستی دفتروں کو مطلع کیا جائے اور انھیں بھی اس کی اطلاع دی جائے تاکہ وہ مناسب کارروائی کرسکیں۔

کمشنر نے بتایا کہ مردم شماری کے متعلق ہدایات اور پبلسٹی لٹریچر ہر اہم زبان میں شائع ہوگا تاکہ ہر شخص کو تمام ضروری باتوں کا علم ہوسکے۔

وفد کے ممبروں نے کمشنر کا شکریہ ادا کیا اور اپنے تعاون کا یقین دلایا۔

انجمن ترقی اردو راجستھان کی سرگرمیاں

شہر جے پور میں سرکاری ہائر سکنڈری اسکولوں میں صرف موتی کٹلہ ہائر سکنڈری اسکول میں گزشتہ کئی سال سے اردو کی تعلیم کا انتظام ہے۔ اس سال چھٹی اور نویں جماعتوں کے طلبہ نے بتایا کہ ہیڈ ماسٹر صاحب نے مندرجہ بالا جماعتوں میں داخلہ کے لئے اردو کے طلبہ کی درخواستیں لینے سے انکار کردیا ہے اس سلسلہ میں جو سرپرست صاحبان ہیڈ ماسٹر صاحب سے ملے ان سے بھی ہیڈ ماسٹر صاحب نے یہی فرمایا بلکہ چھٹی جماعت ہی کو اسکول سے بند کرنے کے لئے کہا اس سلسلہ میں داخلہ کے انچارج ماسٹر صاحب نے صاف کہدیا کہ اردو پڑھنا ہے تو دوسرے اسکول میں جائیے اس سلسلہ میں انجمن ترقی اردو راجستھان کی کوشش سے اسکول مذکور میں اردو کی تعلیم بدستور جاری رکھنے کا ایڈیشنل انسپکٹر صاحب محکمہ تعلیم نے یقین دلایا ہے۔ موصوف سے پہلی ملاقات پر انھوں نے متعلقہ ہیڈ ماسٹر صاحب سے گفتگو کرکے جواب دینے کے لئے فرمایا تھا اور دوسرے روز انھوں نے بتایا کہ اسکول میں اردو بدستور جاری رہے گی ایسی صورت میں جن طلبہ کی درخواستیں اب تک داخل نہیں ہوئی ہیں وہ اب اپنی درخواستیں ہیڈ ماسٹر صاحب کی خدمت میں پیش کردیں۔

• احترام الدین احمد شاغل

•

جب کارکن آپ کے گھر پر اندراج کرنے آئے تو سب کام چھوڑ کر اس کے سوالوں کا جواب دیجئے اور دیکھ لیجئے کہ جواب وہی ہے جو آپ نے دیا۔

•

مردم شماری کے موقع پر اپنی مادری زبان اردو لکھوائیے۔

اخبار و اذکار

اردو تلگو عوامی محاذ کے قیام کا فیصلہ

حیدرآباد:۔ اردو تلگو کے سرگرم عمل اور پرجوش حامیوں کے ایک بڑے اجتماع میں ان دونوں زبانوں کے موجودہ موقف مسائل و مشکلات کے علاوہ ان کی منصوبہ بند ترقی و ترویج پر غور کیا گیا اور "اردو تلگو عوامی محاذ" کے قیام کا فیصلہ کیا گیا۔ محاذ کی سرگرمیاں آئندہ ماہ منعقد ہونے والے اردو تلگو کنونشن سے شروع ہو جائیں گی۔ نواب میر طاہر علی خاں صاحب نے صدارت کی۔ اجتماع کے کنوینرس گیری راجکمار، ڈوزئل، عارف الدین سلیم اور محی الدین حامد نے کہا کہ محاذ کے قیام کا بنیادی مقصد ریاست میں اردو اور تلگو زبانوں کی ٹھوس طریقہ پر اشاعت کے علاوہ ان زبانوں سے کی جانے والی ناانصافیوں کے خلاف ہر قسم کے جمہوری و قانونی اقدامات کرنا ہوگا۔ جن میں ستیہ گرہ، بھوک ہڑتال، گھیراؤ، دھرنا اور بائیکاٹ بھی شامل ہیں۔ جناب جے پرشاد راؤ نے ریاستی انتظامیہ میں جلد از جلد تلگو کو رائج کرنے اور اردو کے مطالبات کی تکمیل پر زور دیا۔

جناب بی۔ ایل شرما نے الزام لگایا کہ تشکیل آندھرا پردیش کے بعد اردو کو جتنا نقصان پہنچایا گیا ہے اس کی نظیر نہیں ملتی۔ انھوں نے کہا کہ ریاست میں اردو اور تلگو ہی ایسی زبانیں ہیں جو عوامی زبانیں کہلائی جا سکتی ہیں۔ جناب رام کرشنا راؤ نے بھی تقریر کی۔ جناب الطاف حسین جنیدی نے اردو اور تلگو زبان کے لیے مشترکہ جدوجہد پر زور دیا اس موقع پر ایک ایڈہاک کمیٹی تشکیل دی گئی۔

• رہنمائے دکن

ہوڑہ میں شام پرویز

ہوڑہ کے ادبا و شعرا نے "شام پرویز" منائی اردو کے عظیم شاعر پرویز شاہدی کی دوسری برسی کے سلسلے میں اس جلسے کا اہتمام رائٹرس ایسوسی ایشن ہوڑہ نے کیا تھا صدارت ہوڑہ کے جناب مضطرب ساحری نے فرمائی اس موقع پر جناب سید الابرار نے اپنے تنقیدی مقالہ "عہد بے چہرگی کا شاعر" میں پرویز شاہدی کی شاعرانہ عظمت کے بعض گوشوں کو اجاگر کیا اور متعدد نوجوان شعراء نے پرویز مرحوم سے متعلق اپنی شعری تخلیقات پیش کیں۔ اور ادیبوں نے اپنی اپنی تقریر میں پرویز مرحوم کی حیات و شاعری پر روشنی ڈالی موصوف کی شاعرانہ اور انسانی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے تمام مقررین نے اس بات پر اظہار افسوس کیا کہ وہ مقام اب تک پرویز مرحوم کو نہیں ملا جس کے وہ مستحق تھے جس کا سبب یہ ہے کہ اردو کے ترقی پسند اور غیر ترقی پسند تمام نقاد ہی اب تک ان کی طرف سے بے توجہی برت رہے ہیں اس ضمن میں "پرویز میموریل کمیٹی" کلکتہ اور ادارہ "لوح و قلم" کلکتہ کی بعض کوتاہیوں کا ذکر کیا گیا ہے اور بتایا کہ تقریباً ڈیڑھ سال پہلے اشاعت پذیر ہونے کے باوجود پرویز شاہدی کے آخری مجموعہ کلام "تثلیث حیات" کی تقریباً تمام کاپیاں مدتوں سے پڑی ہیں اور انھیں نہ تو مقتدر ادیبوں اور شاعروں کو بھیجا گیا اور نہ تبصرے کی غرض سے رسائل و جرائد کو جلسے نے طے کیا کہ آئندہ برسی کے موقع پر پرویز صاحب سے متعلق ایک خوبصورت سوونیر شائع کیا جائے گا۔

• حشمت فتح پوری جوائنٹ سکریٹری

یوم اقبال

منگلور:۔ طلبائے دارالعلوم سبیل الرشاد منگلور کی ادبی انجمن جمعیتہ الارشاد کے زیر اہتمام یوم اقبال منایا گیا مولانا ابوالسعود احمد صاحب مہتمم نے صدارت فرمائی مولانا نیر ربانی صاحب نگراں جمعیتہ الارشاد نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔

صدر جلسہ نے شعر و شاعری کے ذریعہ دینی و قومی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے علامہ اقبال کو خراج تحسین پیش کیا۔

جناب محمد جلال صاحب ایم۔ اے پروفیسر اسلامیہ کالج واکنباڑی نے علامہ اقبال کی شخصیت اور کلام پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ علامہ اقبال کی شاعری انسانی زندگی کی بہترین تفسیر ہے۔

• عبدالکریم نجمی

ناندیڑ میں مرہٹواڑہ اردو کنونشن کے انعقاد کا فیصلہ

ناندیڑ:۔ مرہٹواڑہ میں اردو کے موقف و مسائل کا جائزہ لینے اور حقوق کے حصول کی جدوجہد سے متعلق لائحہ عمل مرتب کرنے کے لیے آل مرہٹواڑہ اردو کنونشن ناندیڑ میں منعقد کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ اس کنونشن کی تیاریوں اور انتظامات پر غور و بحث کے سلسلہ میں اردو اکیڈیمی کی جانب سے محبان اردو کا ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں مختلف امور طے پائے۔ اور کہا گیا کہ ایک نمائندہ اجتماع میں اردو کے تمام مسائل کا جائزہ لینا اور اس سلسلہ میں جدوجہد کرنا ضروری و ناگزیر ہو گیا ہے۔ مجوزہ مردم شماری سے متعلق ایک رپورٹ اور جناب رد فتح علی صاحب کی تجاویز پر بھی تبادلہ خیال ہوا۔

• رہنمائے دکن

حلقہ ادب رانچی کی ایک ادبی نشست

• ۱۰ مئی کو ڈاکٹر عفران بے پرنسپل اسکول آف انجینئرنگ رانچی کی قیام گاہ پر صدر حلقہ ادب پروفیسر احمد سجاد صاحب نے ملک کے مختلف حصوں سے آئے ہوئے ادیبوں اور شاعروں

کا استقبال کیا اور حلقہ کے مقاصد اور اس کی ادبی روایتوں کا مختصر تعارف پیش کیا۔

جناب دلبارغ رفعے بجائے دلی دپرنسپل گووند پور کالج، نے صدارت کی۔ شرکا نشست میں مقامی شعرا و ادبا کے علاوہ باہر کے ممتاز شاعر و ادیب شامل تھے۔

اسی نشست میں پروفیسر ابوذر عثمانی صاحب نے حفیظ بنارسی کے مجموعہ کلام "درخشاں" کا تعارف کراتے ہوئے حفیظ کے فکروفن اور طرزواسلوب پر ایک مختصر گفتگو بھی پیش کی۔

• منظر مسعود

تامل ناڈو میں اردو

تامل ناڈو میں اردو اور اردو دانوں کا مسئلہ اب آہستہ آہستہ منظر عام پر آنے لگا ہے۔ ریاست کے اردو دانوں کی قابل قدر تعداد کو، جو باشعور ہے۔ اس بات کا شدید احساس ہوتا جارہا ہے کہ تامل ناڈو میں اردو زبان کی بقا کے لئے عملی اقدامات کئے بغیر ہم اپنے ملک اپنے طبقے اور اپنی تہذیب وثقافت کے سچے وفادار نہیں کہلا سکتے۔

گذشتہ مردم شماری کے مطابق اس ریاست میں مادری زبان اردو بتانے والوں کی تعداد ۶،۱۵،۵۰۳ ہے اور جنھوں نے اردو کو اپنی ثانوی زبان بتایا ان کی تعداد ۲۵،۰۷۶ ہے۔ مگر ہمارا خیال ہے کہ بعض سیاسی و معاشی مصلحتوں کے تحت خود اردو والوں نے اپنی مادری زبان تامل ناڈو بتائی۔ ہمارا یہ بھی شبہ ہے کہ مردم شماری کرنے والے کارکنوں نے اکثر و بیشتر لوگوں سے پوچھے بغیر بھی مادری زبان کا خانہ اپنی طرف سے بھر تی کرلیا۔ ہمارا خیال ہے کہ گذشتہ مردم شماری کے وقت تامل ناڈو میں اردو بولنے والوں کی تعداد کسی طرح ۸ تا ۹ لاکھ سے کم نہیں تھی اور اب یہ تعداد کسی طرح ۱۱ تا ۱۲ لاکھ سے کم نہیں۔

اردو کوئی چھوٹی موٹی علاقائی بولی نہیں ہے اس کا شمار دنیا کی چند ایک بڑی زبانوں میں ہوتا ہے ملک کی چودہ سات بڑی زبانوں کے ساتھ یہ بھی سرفہرست ہے۔

ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں اس کے بولنے والے ہیں یہ ہمارے وطن کے مشترکہ کلچر کی سب سے بڑی نمائندہ علامت ہے۔

تامل ناڈو کے اردو دانوں کو اس بات پر فخر کرنا چاہئے کہ وہ جدید ہندوستان کے صحیح کلچر کی نمائندگی کرتے ہیں یا نہ صرف اس کلچر کی بقا کے لئے بلکہ ملک میں جذباتی ہم آہنگی اور قومی یکجہتی کو فروغ دینے کے لئے بھی ہر ریاست میں اردو کی حفاظت اور اس کی ترقی کے لئے ہر طرح کی کوشش کرنا ہر محب وطن کا فرض ہے۔

تامل ناڈو میں اردو زبان و ادب کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی کہ کسی اور ریاست کی ہے یا ہو سکتی ہے دوسری ریاستوں کی طرح یہاں بھی اردو زبان اور اردو دانوں کی .... مشکلات بڑھتے بڑھتے ایک دن اس ریاست میں اردو زبان اور اردو دانوں کی بحیثیت ایک ثقافتی طبقے کے مکمل خاتمہ کا سبب بن جائیں گی۔

ڈی۔ ایم۔ کے سرکار کی دو لسانی پالیسی اور اسے مستقل حیثیت دینے والا ریاستی قانون ریاست کی لسانی اقلیتوں کے لئے ایک سراب سے کم نہیں۔ یہ قانون براہ راست لسانی اقلیتوں کو تعلیم کے بعض مدارج میں علاقائی زبان سیکھنے سے روکتا ہے اور اس طرح بالواسطہ لسانی اقلیتوں کو مجبور کرتا ہے کہ معاشی و سیاسی تقاضوں کے پیش نظر اپنی مادری زبانوں کو ختم کردیں۔ بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ ڈی۔ ایم۔ کے سرکار کی لسانی پالیسی لسانی اقلیتوں کی انفرادیت کو کچلنے اور ان پر تامل زبان اور اس کے مخصوص کلچر کو بہ زور قانون ٹھونسنے کی پالیسی ہے۔

حکمراں جماعت کا یہ رجحان غیر جمہوری، غیر دستوری اور سیکولر دشمن ہے، حکمراں جماعت نے لسانی پالیسی کی تشکیل میں ماہرین تعلیمات، ثقافتی نمائندوں اور دوسرے متعلقہ افراد اور اردو اداروں سے صلاح و مشورہ نہیں کیا۔

مدراس میں زبانوں کی تعلیم کا مسئلہ خالص سیاسی سطح پر ایک طرفہ انداز میں حل کرنے کی کوشش کی۔

ریاستی حکمرانوں کی اس پالیسی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے کی ضرورت ہے مگر اس میں شک نہیں کہ زبان کا مسئلہ سیاسی بن گیا ہے مگر یہ ریاست دانوں کی

خیر دانشمندی اقتدار کی ہوس، تنگ نظری اور تعصب کی وجہ سے ہوا ہے اپنی زبان کے تحفظ کے لئے جدوجہد کرنے والوں کو چاہئے کہ اس مسئلہ کو سیاسی داؤں پیچ سے نکال کر خالص ثقافتی سطح پر پیش کریں۔

• الجمعیۃ

سید امتیاز علی تاج کے دردناک قتل کے سلسلہ میں کچھ تفصیلات

لاہور: عظیم اردو کے ممتاز ڈرامہ نویس اور ادیب سید امتیاز علی تاج کے دردناک قتل کے بارے میں اب تفصیلات حاصل ہو سکی ہیں۔ یاد رہے کہ انھیں گذشتہ اپریل کے آخری ہفتہ میں ان کے رہائشی مکان میں قتل کر دیا گیا تھا۔ روزنامہ "نوائے وقت" کے مطابق سید صاحب اور ان کی بیگم حجاب امتیاز علی وقوعہ والے دن اپنے بنگلہ کے اوپری حصہ میں سو رہے تھے۔ صبح کاذب کے دوران سید امتیاز علی تاج کی گردن میں سخت درد محسوس ہوا جس کی وجہ سے ان کی آنکھ کھل گئی۔ بتایا جاتا ہے کہ آنکھ کھلتے ہی انھوں نے دو نقاب پوشوں کو دیکھا جن کے ہاتھوں میں چاقو تھے۔ اپنے نزعی بیان میں جناب امتیاز علی نے پولیس کو بتایا کہ آوازیں سن کر جب ان کی اہلیہ کی آنکھیں کھلیں تو انھوں نے قاتلوں کے ساتھ جدوجہد کرتے ہوئے انھیں پکڑنے کی ناکامیاب کوشش کی۔ اس پر قاتلوں نے ان پر بھی چاقوؤں سے حملہ کر دیا جس کی وجہ سے ان کی پیٹھ اور ہاتھ میں زخم آئے۔ قاتل ۸۰ سالہ ادیب امتیاز علی تاج کے معدے اور پیٹ پر کاری زخم لگانے کے بعد بھاگ جانے میں کامیاب ہو گئے۔ شک کیا جاتا ہے کہ ان کے گھریلو نوکر کا اس قتل میں ہاتھ ہے۔ جسے چند دنوں پہلے ہی نوکری سے نکالا گیا تھا۔ جناب تاج کے چند ایسے رشتہ داروں سے اس نوکر کی قریبی شناسائی تھی۔ جن سے سید امتیاز علی تاج کا جائداد کے بارے میں کئی سال سے مقدمہ چل رہا تھا۔ خیال رہے کہ قتل سے چند سال پہلے بھی چند نامعلوم افراد نے ان کو حملہ کر کے زخمی کر دیا تھا۔ پولیس کی بہترین کوششوں کے بعد بھی کسی کے خلاف مقدمہ قائم نہیں کیا جا سکا۔ یقین کیا جاتا ہے کہ غالباً یہ دونوں حملے کسی ایک ہی گروپ کی کوششوں کا نتیجہ ہیں۔

سید صاحب کا نوکر گذشتہ دس دنوں سے فرار ہے اس کے علاوہ سید صاحب کے ان رشتہ داروں سے بھی پوچھ گچھ کی جا رہی ہے۔ جن سے ان کی مقدمہ بازی ہو رہی تھی۔

• سیاست

صفحہ ۱۲ سے آگے

شعر و حکمت کے اس شمارے کی ایک قابل توجہ خصوصیت ایسے مضامین کی شمولیت ہے جن میں معاصر شعراء کے تفصیلی مطالعے اور تجزیے پیش کئے گئے ہیں۔ جن شعراء کو زیر بحث لایا گیا ہے وہ ہیں۔ عمیق حنفی، بلراج کومل، شہریار، شمس الرحمٰن فاروقی، ناہید ثانی اور محمود سعیدی، خلیب الرحمٰن کی ایک تازہ ترین نظم "اس کی آوازیں" تجزیاتی مطالعے کے لئے منتخب کی گئی ہے۔

شمس الرحمٰن فاروقی نے بڑی نکتہ رسی کے ساتھ اس نظم کے معنی خیز پہلوؤں کو ابھارنے کی کوشش کی ہے۔ شمیم حنفی نے ہندی کے مشہور شاعر سروشور دیال سکسینہ پر خوبصورت تعارفی مضمون لکھا ہے۔ ضرورت ہے کہ اس سلسلے کو اور آگے بڑھایا جائے۔

جن شعراء کی تخلیقات پہلے شمارے میں شامل کی گئی ہیں ان میں خلیب الرحمٰن، وزیر آغا، وحید اختر، محمد علوی، عادل منصوری، کمار پاشی، زبیر رضوی، شاذ تمکنت، انور منظم، مصحف اقبال توصیفی، محمود سعیدی، ناہید ثانی، سلیمان اریب، ساجدہ زیدی، عزیز قیسی، عمیق حنفی، قاضی سلیم، شمس الرحمٰن فاروقی، شہریار، شمیم حنفی، بشیر بدر، بانی اور اظہر نفیس وغیرہ کے نام ہیں، ہر شاعر کی ایک سے زیادہ نظمیں اور غزلیں فراہم کی گئی ہیں۔

مغرب کے جدید شعری رجحانات سے روشناس کرانے کا سلسلہ بھی شروع کیا گیا ہے چنانچہ زیر نظر شمارے میں یونان کے جدید شاعر جارج سیفرس پر مغنی تبسم کا مقالہ شامل ہے اور اس کی بعض نظموں کے ترجمے بھی جو قاضی سلیم اور علی ظہیر کے کئے ہوئے ہیں۔

شعر و حکمت ہر اعتبار سے ایک بھرپور اور رنگا رنگ رسالہ ہے اور آج کے شعری رجحانات کو بڑے وسیع پیمانے پر سامنے لانے کا کام انجام دیتا ہے۔ امید ہے کہ اس کے اگلے شمارے اور بھی زیادہ جاذب نظر ہوں گے اور کتابت و طباعت کی طرف خاص توجہ ہوگی۔

تبصرہ

خلیل الرحمٰن اعظمی

شعر و حکمت (سہ ماہی)

ترتیب دینے والے :۔ شہریار، مغنی تبسم

صفحات :۔ ۳۲۰

پتہ :۔ ۳۳-۲-۷۶۴ بازار نورالامرا۔ حیدرآباد

قیمت :۔ سالانہ تیرہ روپے

شعر و حکمت اس اعتبار سے اپنی نوعیت کا ایک نیا رسالہ ہے کہ اس نے اپنے آپ کو شعری ادب کے لئے مخصوص کر دیا ہے۔ پہلے پرچے کی اشاعت یہ بتاتی ہے کہ اس رسالے کے ذریعہ جدید شعری رجحانات کے سلسلے میں جذباتی انداز کے مباحثوں اور مراسلاتی تحریروں سے آگے بڑھ کر ہم زیادہ گہرائی کے ساتھ غور و فکر کرنا چاہتے ہیں۔

ڈاکٹر مغنی تبسم نے ایک مستقل سلسلۂ مضامین کا آغاز کیا ہے جس کا عنوان "لفظوں کے آگے" ہے۔ اس مضمون میں بعض خیال انگیز باتیں کہی گئی ہیں مثلاً جدیدیت (MODERNITY) اور تجدد (MODERNISM) میں فرق کرنے کی ضرورت ہے یا یہ کہ جدیدیت کوئی منظم تحریک نہیں جس طرح ترقی پسند تحریک تھی اس لیے یہ ایک مخصوص رجحان نہیں بلکہ مختلف اور متنوع رجحانات کا ایک سلسلہ ہے جن میں سے بعض کا رشتہ ماضی کی شاعری سے جڑتا دکھائی دے گا البتہ نئی شاعری ماضی قریب کی شاعری سے بڑی حد تک مختلف ہے۔ یہ اختلاف سیاسی نظریے یا عقیدے کا نہیں بلکہ بنیادی طور پر تخلیقی رویوں کا اختلاف ہے۔ آگے چل کر ایک بات اور کہی گئی ہے کہ نئی شاعری کے بہت سے تجربے اور اظہارات فیشن بنتے جا رہے ہیں اور فیشن کے اثر سے بڑے پیمانے پر جو شاعری کی جا رہی ہے وہ بھی نئی شاعری سے موسوم کی جاتی ہے۔ اس صورت حال سے مفر نہیں۔ فیشن طرازی اور فیشن پرستی میں اس لئے اور بھی فرق کرنے کی ضرورت ہے۔ فیشن زدہ اور غیر منفرد تخلیق جو تقلیدی طور پر وضع کی گئی ہو اپنے عہد کی جدیدیت کی نہیں بلکہ تجدد کی نمائندہ ہوتی ہے۔ اس کی حیثیت ایسی دستاویز کی ہوتی ہے جو "یادگار" نہیں بننے پاتی اس طرح کی اور بہت سی کام کی باتیں مغنی تبسم نے اپنے مضمون میں کہی ہیں البتہ ایک فقرہ ان کے قلم سے ایسا نکل گیا ہے جو بحث طلب ہے یعنی "ترقی پسند تحریک ادب کے رشتے سے ایک بے معنی اصطلاح تھی۔ یہ نام ایک سیاسی سازش کے تحت ادب کے سر منڈھ دیا گیا تھا" ضرورت ہے کہ صاحب مقالہ اس سلسلے میں اپنے خیالات کو ٹھوس دلیلوں کے ساتھ واضح کریں۔

دوسرا اہم مضمون سید وقار حسین کا ہے جس میں نئی انگریزی شاعری اور نئی اردو شاعری کے بعض امتیازات کو نمایاں کیا گیا ہے۔ دو ایک فقرے آپ بھی دیکھئے:

"آج کے اردو شاعر کے لئے زبان و بیان کے سانچوں میں تبدیلیاں کرنا ایک اعتبار سے ناگزیر ہے اس لئے کہ اردو شعر کے روایتی ڈھانچے میں اتنی لچک اور وسعت نہیں ہے کہ وہ ہر منزل پر شاعر کا ساتھ دے سکے" "اردو شاعر کو اب جو مسائل درپیش ہیں کچھ ان ہی سے ملتے جلتے مسائل سے تقریباً پچاس برس پہلے انگریزی شاعر تبرد آزما تھا لیکن اسے اس قدر زبردست تبدیلی کے لئے زمین ہموار نہیں کرنی تھی جتنی کہ اردو شاعر کو کرنی ہے سبب صاف ظاہر ہے، ایک ہمہ گیر شعری روایت اپنی دور رس جڑوں کے ساتھ اس کی پشت پناہی کے لئے موجود تھی۔ پس فن کے دائرے میں آج نئے انگریزی شاعر کے مسائل وہ نہیں ہیں جو اردو شاعروں کے ہیں۔"

ایک اقتباس اور "ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جدید ذہن اور حسیت کے شعری اظہار کے لئے ہیئت کی سطح پر انگریزی شاعری کے مزاج میں جن تبدیلیوں کی ضرورت تھی وہ اس صدی کے شروع کے تیس پینتیس برسوں میں ہو گئیں اور بعد کے آنے والے شعرا کو خارجی ہیئت کے باب میں بغیر کوئی انقلابی رویہ اپنائے اپنی بات کہنے کا موقع مل گیا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ فارم کے تجربے بند ہو گئے۔ ہاں مگر ان کو جدیت کے سلسلے میں تقدیم کا شرف حاصل نہیں رہا ۔ ۔ ۔ ۔ انگریزی شاعری کی زبان اور ہیئت کے مزاج میں ایک معتدل ٹھہراؤ آتا جا رہا ہے جو روایت سے ہم آہنگی کی طرف لے جاتا ہے۔"

(باقی صفحہ ۱۱ پر)

مالک انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ • پرنٹر و پبلشر سید تفضل حسین ایم۔اے نے لیتھو کلر پرنٹرس علی گڑھ میں چھاپا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا

REGD-NO.L.922 فون نمبر ۲۹ R-NO-2186/57